کے لیے دلیل بن سکتی تھی اگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کسی بھی ایک غیر قریشی کو خلیفہ نامزد کرتے یا خلیفہ منتخب کرنے والی کمیٹی کا رکن بناتے بصورت دیگر ان کا کسی ایسی نامکمل بات پر خاموش رہنا دلیل نہیں بن سکتا جس کے مکمل ہونے پر خلافت کے لیے قریشیت کی شرط اور زیادہ واضح ہو کر سامنے آتی ہو۔ ایسی صورت میں بھی اس امر پر اصرار کرنا کہ غیر قریشی بھی خلیفہ بن سکتا ہے اور وہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کم از کم ایک بات کے پہلے حصے کو تسلیم کرنے اور دوسرے کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بستر مرگ پر طویل ارشاد اپنے قاری سے مطالبہ کرتا ہے کہ اسے پورے کا پورا پڑھا جائے اور سمجھ کر اس کے نتائج پر بات کی جائے۔

بیعت اور ووٹ

حکمت عملی کے بارے میں اختلاف کے باوجود مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی قریش کو خلافت کا حق دار قرار دینے کی ایک ہی وجہ پر متفق کیوں ہیں اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ یہ حضرات جمہوریت کی بنیاد — کہ اکثریت کا اعتماد حاصل کرنے والی پارٹی کو ہی حکومت کرنے کا حق حاصل ہے — کو اسلامی بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ مولانا اصلاحی تو واضح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ "جس طرح جمہوری نظاموں میں ملک کی اکثریت کا اعتماد رکھنے والی پارٹی کو حکومت بنانے کا حق دار سمجھا جاتا ہے اسی طرح قریش کو ان کی دینی خدمات اور ان کے عام معتمد ہونے کی بنا پر خلافت کا حق دار قرار دیا گیا۔" (اسلامی ریاست ص۵۵) یعنی یہ حضرات بیعت اور ووٹ کو ایک ہی نظام قرار دے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جمہوری نظام میں ووٹ کسی بھی ایک امیدوار کو دیا جا سکتا ہے جب کہ نظام خلافت میں یہ نہیں ہوتا کہ جو چاہے جس کی بیعت کرے جسے چاہے خلیفہ منتخب کرتا پھرے بلکہ اسلامی ریاست کے تمام مسلمانوں کو ایک ہی خلیفہ کی بیعت کرنی پڑتی ہے۔

ووٹ کے استعمال اور بیعت کے طریق کار میں واضح یہ فرق ہی ظاہر کرتا ہے ووٹ تو ایک حق حکومت ہے جسے اس کا حامل دوسرے کو تفویض کرتا ہے جب کہ بیعت ایک معاہدہ ہے کہ وہ خلیفہ کی مشروط اطاعت کرے گا یعنی اس کی بیعت کسی کو خلیفہ نہیں بناتی بلکہ وہ بنے ہوئے خلیفہ

لہ جسے یا تو خلیفہ اپنا جانشین نامزد کرتا ہے یا پھر بعض ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دیتا ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

کی اطاعت کا معاہدہ کرتا ہے جب کہ ووٹ دیتے وقت یہ تصور ذہن میں نہیں ہوتا جسے ووٹ دے رہا ہے اس کی اطاعت کا معاہدہ نہیں کر رہا ہوتا ہے ورنہ اس کی اطاعت کا رخ کامیاب امیدوار کی طرف کبھی نہ ہوتا جسے اس نے ووٹ ہی نہیں دیا۔

بیعت اور ووٹ کے درمیان فرق کے بارے میں اختصار کے ساتھ جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے بیعت اور ووٹ کو ایک سمجھنے والے بھی بخوبی آگاہ ہیں بلکہ ہمارے معاشرے میں تو ایسے اہل علم بھی موجود ہیں جو یہ تک بھی کہتے سنائی دیتے ہیں کہ "بیعت اور ووٹ ایک ہی چیز نہیں لیکن اب ہماری عادت ووٹ کی ہوگئی ہے تاہم اب یہ ہو سکتا ہے کہ ووٹوں کے ذریعے پہلے کسی کو منتخب کر لیا جائے اور بعد میں اس کی بیعت کر لی جائے"۔

مغربی پاکستان کے سابق ایڈووکیٹ جنرل اور ممتاز قانون دان خالد اسحٰق صاحب نے ایک ہی سانس میں تین متضاد باتیں ارشاد فرمائی ہیں کیونکہ بیعت اور ووٹ اگر ایک چیز نہیں تو ان دونوں کو بیک وقت کیسے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ وہ جنھوں نے ہارنے والے امیدوار کو ووٹ دیے ہیں کامیاب امیدوار کی بیعت کیوں اور کیسے کریں گے۔ اکثریت کا فیصلہ درست کی بات کی جائے، تو یہ ضروری نہیں تین امیدواروں کو مجموعی طور پر ملنے والے ووٹوں سے زیادہ ووٹ کامیاب امیدوار کو ملے ہوں؟ سب سے بڑھ کر بیعت کسی کی مشروط یا غیر مشروط اطاعت کا معاہدہ کرنا ہے جب کہ ووٹ کسی کو اختیار بلکہ اقتدار سونپتا ہے۔ ووٹ دینے کے بعد بھی کیا کسی ووٹر کے پاس کوئی اختیار رہ گیا ہے کہ وہ چار پانچ سال کی بجائے چار پانچ دنوں سے بھی کم مدت میں ہارنے والے امیدوار کو دیا گیا ووٹ یعنی اقتدار واپس لے کر اب دوسرے امیدواروں کی اطاعت کا وعدہ کرتا پھرے۔

پروفیسر خورشید احمد بھی جناب خالد اسحٰق کی طرح ووٹ یا انتخابات کو ایک عادت قرار دیتے ہیں ان کا موقف یہ ہے کہ "ہمارے لیے انتخابات کے اس نظام کو ترک کرنا انتہائی مشکل ہوگا۔ جس کے دنیا کے دوسرے ممالک اور خاص طور پر اسلامی ممالک عادی ہو چکے ہیں تاہم اس نظام میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دے جاتا ہے جو اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کرتی ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کیا اور ان کے اس تعامل پر عمل کرنا مسلمانوں کا فرض ہے۔

تبدیلیاں کی جاسکتی ہیں۔ اس وقت مستحسن طریقہ یہ ہے کہ موجودہ طرزِ انتخاب کو ایک عادت یا رسم کے طور پر اپنا لیا جائے اور جو تناقض اس میں اسلامی تعلیمات کے سلسلے میں ہے وہ بتدریج دور کر دیا جائے۔ لیکن جہاں تک انتخابی طریق کار اور اسلامی تعلیمات کے درمیان موجود تناقض کو دور کرنے کا تعلق ہے وہ ان ہی عوامل کو جواز کی سند بخشنے کے معاملے میں زندہ دل ہی نہیں دریا دل ثابت ہوئے جو انتخابی سیاست اور اسلام کے نظامِ سیاست کو یکسر متضاد اور مختلف بنا دیتے ہیں۔ یہ انوکھا فلسفہ کس امر کی غمازی کرتا ہے اس سلسلے میں کچھ کہنے کی بجائے پروفیسر خورشید کا ہی یہ ارشاد پڑھیے۔ "انتخابات کا عمل کسی نہ کسی طریقے سے ہماری زندگی کی ایک عادت رہی ہے اور زندگی کے دیگر پہلوؤں کی طرح اس میں بھی کچھ خامیاں ہیں لیکن اس کے باوجود ہر وہ کوشش جو انتخابات کے نظام کو معطل یا موخر کرنے کے لیے کی جائے گی وہ دراصل اسلام کے شورائی نظام میں رکاوٹیں ڈالنے کے مترادف ہوگی۔"

اصل مسئلہ وہی ہے جس کا اظہار یہ کہہ کر کیا گیا ہے کہ "اب ہمارے عادت ووٹ کی ہو گئی ہے۔" اس "عادت" کا علاج تو یہ ہے کہ وہ بیعت یا ووٹ جس نظام کو چاہے اختیار کرے نہ کہ عقل سے عداوت مول لینے کا شغل جاری رکھے۔ ایسی عادت کو تبدیل کرنے بلکہ دوسرے الفاظ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کو عادت بنانے کا درس دینے کے لیے اللہ کی طرف سے کتاب کی صورت میں تعلیم نازل ہوئی اور رسولؐ مبعوث ہوئے۔ اب یہ فیصلہ ہم نے کرنا ہے کہ اپنی سی عادت پر عمل کیا جائے یا تعلیماتِ الٰہیہ اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ہی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کو عادت بنا لیا جائے۔ لیکن خدا کی بستی میں یہ عمل خدا ترسی اور خدا خوفی سے قطعی منافی ہوگا کہ کوئی شخص اپنی عادت کو اسلامی ظاہر کر کے من مانی کرتا پھرے یہ عمل تو بسم اللہ واللہ اکبر پڑھ کر اسلام کے کسی اصول یا نظریہ کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ اس صورت میں یہ دعویٰ جچتا نہیں کہ عربی زبان کے متعدد الفاظ کے کئی معانی ہیں اور یہ مطالب و معانی ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں جن کی بنیاد پر اکثر غلط فہمی کا احتمال رہتا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ الفاظ کی تشریح میں پس منظر اور صحت کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے اور بات واضح کر دی جائے، کسی قسم کا بہانہ یا غلط فہمی باقی نہ رہنے دی جائے۔"